© rasailojaraid.com

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس امر کا پورا پورا علم ہے کہ کامل عدل کس حکم میں ہے۔ وہ سب کا رب ہے اور سب کے ساتھ یکساں عدل کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت پر غور کیجیے۔ اس میں عدل کا ایسا بے لاگ اور صحیح حکم پایا جاتا ہے، جو صرف اور صرف اللہ کی کتاب ہی میں پایا جاتا ہے، اور یہ الہامی ہی ہوسکتا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ (النساء ۴:۱۳۵)

۶- کامل اور پورا عدل انسان کے وضع کردہ کسی نظام میں نہیں پایا جاتا اور نہ پایا ہی جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں انسانی خواہشات، میلانات، رجحانات، حرص و ہوس، افراط و تفریط، ذاتی مفادات، جہالت، کم علمی اور تنگ نظری جیسی انسانی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

۷- یہ خدائی اور الہامی قانون ایسا عظیم اور کامل ضابطہ ہے جو پوری کائنات کے قوانین کے ساتھ ہم آہنگ ہے، کیونکہ اس نظام کا واضع وہی ہے جو اس کائنات کا صانع و مالک ہے۔ پھر انسان کا صانع بھی وہی ہے۔ جب وہ انسان کے لیے قانون وضع کرے گا تو اس کی حیثیت کائناتی جوہر و عنصر کی ہوگی۔ اسی طرح انسان کے اعمال و حرکات اور کائنات کی حرکات و سکنات میں ہم آہنگی ہوجائے گی۔ یوں شریعت الٰہی کائناتی رنگ اختیار کرے گی۔ درحقیقت انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ایک صحیح محکم نظام کے تحت اس کائنات کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کرے۔

۸- یہ صرف تنہا اور اکیلا اللہ تعالیٰ ہی کا نظامِ شریعت ہے جو انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ اسلامی نظام کے علاوہ ہر نظام میں انسان انسان کی بندگی کرتا ہے اور انسان انسان کا بندہ اور غلام بنتا ہے۔ صرف الٰہی نظام میں بنی نوع انسان بندوں کی غلامی سے آزاد ہوکر خداے وحدہٗ لاشریک کی بندگی اختیار کرتا ہے۔

الوہیت کی سب سے اہم خصوصیت حاکمیت (sovereignty) ہے، جو شخص کسی انسانی گروہ کے لیے قانون سازی کرتا ہے وہ ان کے درمیان خدائی کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے اور خدائی خصوصیات سے متصف ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ گروہ خدا کا نہیں بلکہ اس کا بندہ ہوتا ہے اور خدا کے دین کا نہیں اُس انسان کے دین کا پیرو ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹- جاہلیّت کسی دور، تاریخ یا زمانے کا نام نہیں، بلکہ یہ اس حالت نظام اور قانون کا نام ہے جس میں جاہلیّت کی خصوصیات پائی جائیں، چاہے یہ ماضی میں ہو یا حال میں یا مستقبل میں۔ جاہلیّت کی بنیادی خصوصیّت یہ ہے کہ احکام اور قانون سازی میں خدائی نظام اور زندگی کے لیے خدائی شریعت کی طرف رجوع کرنے کے بجاے انسانی خواہشات و میلانات کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ خواہشات کسی فرد کی ہوں، کسی طبقے کی ہوں، کسی قوم کی ہوں یا ایک دور کے سب انسانوں کی، سب کی حیثیت یکساں ہے۔ جب تک کہ خدائی احکام اور شریعت کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو اس کے سوا باقی سب ہوا و ہوس، خواہشات و میلانات اور جاہلیت و بے علمی ہے۔

۱۰- افراد، گروہوں، جماعتوں، قوموں اور سب ادوار کے انسانوں کا خالق سب کے لیے قانون وضع کرتا ہے۔ یہ اللہ کی شریعت ہے۔ اس میں کسی شخص کو نقصان پہنچا کر کسی فرد، جماعت، حکومت یا کسی دور کے انسانوں کے لیے کوئی رعایت نہیں۔ اللہ سب انسانوں کا رب ہے۔ اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اُسے سب کی حقیقت اور سب کے مفادات و مصالح کا پورا علم ہے۔ اس لیے وہ سب کے مفادات کا صحیح صحیح خیال رکھے گا۔

اللہ انسانوں کے لیے قانون وضع کرتا ہے تو اس طرح سب انسان حریت و آزادی اور مساوی حیثیت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے اور اللہ کے سوا کسی کی بندگی و عبادت نہیں کرتے۔

پس سورۂ مائدہ کی ان آیات میں اس اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ عقیدے کا سب سے اہم نازک، عظیم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ یہ انسانی حریت و مساوات کا مسئلہ ہے۔ یہ انسان کی آزادی اور اس کے پیدایشی حق کا مسئلہ ہے اور بالآخر کفر و ایمان اور اسلام اور جاہلیّت کا مسئلہ ہے۔ قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر اس مسئلے کی عظمت و اہمیّت ان الفاظ میں اجاگر کی ہے:

> اور حق اگر ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ (المومنون ۲۳:۷۱)

اللہ کے نازل کردہ احکام کو چھوڑ کر دوسرے قوانین سے فیصلہ کرنے کا نتیجہ شر و فساد، جہالت و گمراہی اور بالآخر ایمان کے دائرے سے خارج ہو جانا ہے۔ یہی ان آیات کا صریح مفہوم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحولیاتی اخلاقیات

قرآن کی روشنی میں

ڈاکٹر خواجہ محمد سعید ○

موجودہ صدی میں انسان جہاں دوسرے مسائل سے دوچار ہے وہاں اس کا سب سے بڑا مسئلہ ماحولیاتی اخلاقیات کا بھی ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں اس مسئلے نے ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اقوام متحدہ سے لے کر دنیا بھر کی تمام حکومتوں، حتیٰ کہ افراد نے بھی اس اہم مسئلے پر غور وفکر شروع کردیا ہے۔

ایک زمانے میں درخت کاٹنا کوئی جرم نہ تھا لیکن موجودہ دور میں درخت کاٹنا جرم ہے۔ جب ہم جرم کی بات کرتے ہیں تو دوسرے الفاظ میں ہم اخلاقیات کی بات کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خیر کا تنزل، شر ہے۔ اسی طرح اخلاقیات کا تنزل، جرم ہے۔ کوئی بھی عمل اس وقت جرائم کی فہرست میں شامل ہوتا ہے جب وہ انسانی زندگی کے لیے نقصان دہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ درخت کاٹنا جرم میں شامل ہے کیونکہ درخت انسانی زندگی کے لیے صحت مند ماحول پیدا کرتے ہیں۔ وہ فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرکے آکسیجن کو خارج کرتے ہیں جو کہ زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ یوں ماحولیاتی اخلاقیات اور اس کائنات میں پائی جانے والی ہر جاندار شے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اگرچہ موجودہ صدی میں آلودگی کا شعور بیدار ہوچکا ہے لیکن اب بھی ہم اس کے

○ شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل اسباب کے ادراک سے گریزاں ہیں۔ یہ ذمہ داری صرف حکومت پر نہیں بلکہ پورے معاشرے اور ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے قبل کہ ان اسباب کی تلاش کی جائے جو ماحولیاتی اخلاقیات پر اثر انداز ہوتے ہیں، مناسب ہے کہ موجودہ دور میں انسانی زندگی کے حقیقی چہرے سے پردہ اٹھایا جائے۔

سائنسی ترقی اور اضطراب

مغرب سے لے کر مشرق تک کہیں بھی نگاہ ڈالیے، انسانی زندگی اضطراب کا شکار ہے۔ سائنسی ترقی نے دنیا کو سمیٹ کر ایک بڑے کمرے میں تبدیل کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ نے انسانی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ مگر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ سائنسی ترقی کے عروج کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کا گراف گر گیا ہے۔ اخلاقی اقدار میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ انسان دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض سے غافل ہو گیا ہے۔ اس ترقی کے نتیجے میں انسانی خواہشوں کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا ہے۔ صنعت نے ان خواہشوں کے مطابق نئی مصنوعات کے انبار لگا دیے ہیں۔ زمین جو اپنا سینہ چیر کر انسان کے لیے اللہ رب العزت کی نعمتوں کے خزانے باہر پھینکتی ہے وہاں بلند و بالا عمارتوں نے نیزوں کی طرح زمین کے سینے کو چیر کر بڑے بڑے شہر بسا دیے ہیں۔ خواہشات سے بھرے دل و دماغ دن رات ان شہروں میں خرید و فروخت میں مصروف ہیں اور اپنے مقصد حیات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ بازار بڑھتے جا رہے ہیں۔ مکانات اور گاڑیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ انسان یہ بھول رہا ہے کہ وہ کیا کھو کر، کیا پا رہا ہے۔ اپنے گھر کے کوڑا کرکٹ کو اٹھا کر دوسرے کے گھر کے سامنے پھینک دیتا ہے۔ بازاروں میں گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اس سے نہ صرف فضا کو نقصان پہنچا بلکہ زمین نے بھی اپنے سینے کو بند کر دیا۔ دو عشرے پہلے تک زمین نے اپنا سینہ انسان کے لیے کھول رکھا تھا۔ وہ انسان کی صحت مند زندگی کے لیے پھل اور اناج کے ڈھیر لگا رہی تھی۔

شہروں کی ہوا کارخانوں اور گاڑیوں کے دھوئیں سے زہر آلود ہو رہی ہے۔ کارخانوں کے فضلات اور انسانی غلاظت سے ندیوں کا پانی زہر آلود ہو رہا ہے۔ درختوں کی کٹائی سے زمین کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ حرارت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق جس دن زمین کا درجہ حرارت مزید تین ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ جائے گا' گلیشیر پگھل جائیں گے' زمین بنجر ہو جائے گی اور سمندر کے ساحلی علاقے غرقاب ہو جائیں گے۔ یوں انسان اللہ رب العزت کے ان خزانوں سے محروم ہو جائے گا جو زمین دن رات اپنا سینہ پھاڑ کر اُگلتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

> ان لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اُس کو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس کے اندر سے چشمے پھوڑ نکالے' تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟ (یٰسٓ ۳۶: ۳۳-۳۵)

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ آیت انسان سے ماحولیاتی اخلاقیات کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

ماحولیاتی فساد

زمین کے اوپر اللہ رب العزت نے اوزون گیس کا ایک حفاظتی غلاف بنا رکھا ہے۔ اس کا کام سورج کی روشنی میں موجود الٹرا وائلٹ شعاعوں کے مضر صحت اثرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ ان شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور انھیں زمین تک نہیں پہنچنے دیتا۔ یہ بھی جگہ جگہ سے پھٹ گیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان شعاعوں کی وجہ سے ہر سال کینسر جیسے موذی مرض میں ۱۰ ہزار افراد کا اضافہ ہوتا ہے۔ کیمیائی کھادوں اور جراثیم کش ادویات کے استعمال سے سبزیوں اور پھلوں کے رگ و ریشوں میں بھی زہر سرایت کرتا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پورا کرۂ ارض ایک بھیانک ماحولیاتی فساد کی گرفت میں آ چکا ہے جس کے ختم ہونے کی اُمید دور دور تک نظر نہیں آتی۔

یہ صورت حال ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے مضر اثرات سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے بعد بھی زندگی کے کچھ آثار باقی رہ جاتے ہیں لیکن یہ ماحولیاتی فساد ایک ایسا تیزاب ہے جو زندگی کے رگ و پے میں آہستہ آہستہ سرایت کر کے اُسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر ہی اندر ہلاک کرتا جا رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو انسان ایٹمی ہتھیاروں کو استعمال کیے بغیر خود اپنے ہی ہاتھوں نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کے مضر اثرات سے بے خبر انسان بجائے شجرکاری کرنے کے جنگلات کاٹے جا رہا ہے۔ کسی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اُس ملک کے کُل رقبے کا ۲۵ فی صد حصہ جنگلات پر مشتمل ہو۔ بدقسمتی سے پاکستان میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے کُل رقبے کا چار فی صد علاقہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ شاید زمینی حقائق اس سے مختلف ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جنگلات کاٹنے کے خلاف قوانین بنائے جائیں' اور ان کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔ مگر تمام تر حکمت عملی مسئلے کے ظاہری آثار و مظاہر تک محدود ہے۔ مسئلے کے اصل حل تک پہنچنے کا کوئی شعور و احساس کہیں نظر نہیں آتا۔ روز بروز گاڑیوں کی تعداد میں اضافے کی وجہ سے فضا میں دھوئیں کا اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے کلورو فلورو کاربن کے ذرات میں اضافہ ہو رہا ہے' جو بیرونی فضا میں موجود اوزون میں شگاف کا باعث بنتے ہیں۔ کارخانوں کے آلودہ فضلات کے اخراج سے نہ صرف فضائی آلودگی بلکہ آبی آلودگی میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

ماحولیاتی اخلاقیات اور ماحولیاتی تحفظ کا تعلق ٹکنالوجی سے زیادہ انسانی رویے، خارج سے زیادہ باطن اور جسم سے زیادہ روح سے ہے۔ یہ سارا فساد اُس مادیت پسندی کا نتیجہ ہے جو خدا اور مذہب سے کٹ جانے کے بعد انسان کا مقدر بن چکی ہے۔ لہٰذا اس فساد کی روک تھام کسی بھی مادی حکمت عملی سے ممکن نہیں۔ اس کا اصل حل تب ہی ممکن ہے جب انسان اپنا تعلق ایک ہمہ وقت حاضر و ناظر رہنے والی ذات' یعنی اللہ رب العزت سے جوڑے اور اس کا احساس پیدا کرے تاکہ ہلاکت خیز حرکتوں پر قابو پا سکے۔ دین اسلام میں عبادات سے زیادہ حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو عبادات بھی دراصل معاملات ہی ہیں۔ یوں انسان ساری عمر دوسرے کے حقوق اور فرائض میں ہی گزارتا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کا خود تجزیہ کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ماحولیاتی اخلاقیات کا تعلق خارجی سے زیادہ داخلی ہے۔

فکرِ جدید کے اثرات

موجودہ ماحولیاتی بحران کی فکری جڑیں یورپ کے اس ذہنی رویے میں تلاش کی جا سکتی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس نے انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات کا مرکز اور محور قرار دیا اور تمام ذرائع علم کو نظرانداز کر کے صرف عقل انسانی کو علم کا واحد ماخذ اور سرچشمہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم و عقل اور انسان و کائنات کے اس تصور میں کائنات سے ماورا خالق اور رب العزت کے وجود کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ چنانچہ حقیقت کا تصور اس حد تک محدود ہو کر رہ گیا کہ حقیقت وہی ہے جو حواس کے ذریعے جانی جاسکتی ہے اور عقل کے ذریعے ثابت کی جاسکتی ہے' یعنی حواس کے دائرۂ علم اور عقل کے دائرۂ تصدیق سے باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ حقیقت خالص مادی حقیقت تھی۔

عقل پرستی کا یہ رویہ اچانک ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اس کے لیے مغربی فکر و فلسفہ گذشتہ تین چار سو سال سے زمین ہموار کر رہا تھا۔ اس کا آغاز مغرب میں احیاے علوم یا نشاتِ ثانیہ کی تحریک سے ہوا جس کے زیراثر قدیم یونان کے عقلی علوم کو از سرِنو زندہ کیا گیا اور آہستہ آہستہ انسان کے اس تصور کو استحکام حاصل ہوا جو آپ اپنی منزل اور مقصد تھا۔

اس تحریک ہی نے اُس سائنسی انقلاب کی راہ ہموار کی جو ۱۷ویں صدی میں جدید مغربی فکر و فلسفے کے بانی دیکارت کے محور پر قائم تھی۔ دیکارت نے ایک ایسی مشینی کائنات کا تصور پیش کیا جس میں کسی مابعدالطبیعیاتی عامل کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ اسی دوران گلیلیو اور کیپلر ایک ایسی فلکیات کی بنیاد ڈال چکے تھے جو خالصتاً مادی تھی۔ ان تصورات کی وجہ سے بڑے خوف ناک نتائج برآمد ہوئے اور کائنات کے تقدس کا تصور منہدم ہوگیا جس نے اب تک انسان اور کائنات کے درمیان ایک گہرا قریبی رشتہ قائم کر رکھا تھا۔

یہی وہ زمانہ ہے جب فرانسس بیکن نے علم کا ایک ایسا تصور پیش کیا جس نے علم، انسان اور فطرت کے رشتوں کو بالکل ختم کر دیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ علم یا سائنس قوت ہے۔ اس سادہ جملے میں کیا کیا قباحتیں تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت یورپ میں ابھرنے والے نئے سرمایہ دار بورژوا طبقے نے اُسے اپنا بنیادی عقیدہ اور نعرہ جنگ بنالیا۔

اس طرح ایک ایسی کائنات معرض وجود میں آئی جہاں کائنات خدا سے خالی تھی اور زمین پر انسان نے خدا سے بغاوت کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ عقل انسان کی سب سے بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنما تھی اور اس کے دل میں موجزن مادی خواہشات اس کا بنیادی محرک تھیں اور فطرت پر قبضہ، اس کا استحصال اور اس کے نتیجے میں غلبہ و تسلط اس کا نصب العین تھا۔ پھر صنعتی انقلاب شروع ہوا جس نے مصنوعات کے ڈھیر لگا دیے۔ جب یہ مسئلہ مزید آگے بڑھا تو صنعتوں کو خام مال اور اپنی پیداوار کی کھپت کے لیے بازاروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے لیے نوآبادیات کا راستہ اختیار کیا گیا اور ایشیا و افریقہ کے ممالک یورپی طاقتوں کے زیر اقتدار آ گئے۔

اگر اس ساری بحث کا عمیق جائزہ لیا جائے تو گذشتہ تین صدیوں کے دوران انسان کا فکری ارتقا باطن سے خارج کی طرف ہوا ہے جس کے نتیجے میں انسان نے اپنے روحانی مرکز سے ناتا توڑ کر اپنے لیے ایک خودمختار مادی اقتدار کے قیام کا اعلان کیا۔ یوں وہ ایک طرف کائنات کی فراخی میں گم ہو کر تنہا ہوتا چلا گیا تو دوسری طرف اس نے ساری کائنات دیگر مخلوقات اور خود انسانوں کو اپنا غلام اور ماتحت بنانے کی مہم چھیڑ دی۔

اسلام کا نقطۂ نظر

یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے ماحولیاتی اخلاقیات کے بحران کو اسلامی تصور حیات کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آیئے ذرا تفصیل سے دیکھیں کہ قرآن پاک اور سیرتِ رسولؐ (جو وحی الٰہی کا آئینہ عمل ہے) میں انسان، کائنات، فطرت اور ان کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے کہ کائنات اور اس کی ہر چیز ایک خاص انداز پر، ایک نظم و ترتیب اور توازن و تناسب کے ساتھ اور ایک خاص میزان پر بنائی گئی ہے۔ یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ اس توازن کو برقرار رکھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ (الرحمٰن ۵۵:۷)

ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو اُن کے درمیان ہے' فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کیا ہے' اور ایسے کافروں کے لیے بربادی ہے جہنّم کی آگ سے۔ (صٓ ۳۸:۲۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (الدخان ۴۴:۳۸-۳۹)

ہم نے تمھیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمھارے لیے یہاں سامانِ زیست فراہم کیا، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (الاعراف ۷:۱۰)

جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمھیں خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔ (الملک ۶۷:۳-۴)

یوں قرآن پاک نے ایک ایسی کائنات کا تصور پیش کیا جو ہر لحاظ سے توازن و ترتیب سے معرض وجود میں آئی۔ یہ کائنات محض کھیل تماشا نہیں بلکہ حق کے ساتھ بنائی گئی۔ اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ یہ کائنات انسانوں کے لیے بنائی گئی، نہ کہ انسان کائنات کے لیے بنایا گیا ہے۔ اب اس کی حفاظت کرنا اور اس کی ترتیب کو برقرار رکھنا انسان کا اخلاقی فریضہ ہے۔ اس میں نشانیاں اس کے خالق کی ہیں تاکہ عقل مند لوگ اس پر غور وفکر کریں۔ قرآن پاک کی ۷۵۶ آیات مظاہر فطرت کے مطالعے پر زور دے رہی ہیں۔ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کا بنیادی مقصد اللہ رب العزت کی عبادت اور دوسری کی بھلائی ہے۔ قرآن پاک میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی ذکر ہے جنھوں نے اللہ کو اپنا رب تو نہیں مانا مگر انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کیا ہے۔ اسی بھلائی کو بنیاد بنا کر ان کا نام قرآن پاک میں شامل کیا گیا ہے۔ انھیں دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بنایا گیا ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کائنات میں بقائے باہم کا اصول کارفرما ہے۔

اللہ رب العزت نے کائنات میں جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں ان میں سے صرف انسان کو شعور کی دولت سے نوازا گیا۔ عقل سلیم کو بنیاد بنا کر اُسے اشرف المخلوقات کا منصب دیا گیا۔ علم کی بنیاد پر نائب کا درجہ دیا گیا۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ ان تمام صلاحیتوں کو بروے کار لا کر کائنات کے اسرار و رموز پر غور وفکر کرے۔ اُسے معلوم ہو جائے گا کہ کائنات کی تمام اشیا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص ترتیب سے ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں، مثلاً انسان کو سانس لینے کے لیے پودوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ پودوں کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کے حصول کے لیے جانوروں اور انسانوں دونوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایک ایٹم بھی اپنی جگہ چھوڑ دے تو پوری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

قرآن پاک اور نبی پاکؐ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پر فرض ہے کہ وہ کائنات کے اسرار و رموز پر غور وفکر کرے، اپنے فرائض و حقوق کو جانتے ہوئے خیر و فلاح کا رویہ اختیار کرے۔ یہ دنیا حسین اور ہری بھری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا امانت دار بنایا ہے۔ بقول اقبال: محدود معنوں میں انسان بھی خالق ہے۔ کیونکہ کائنات کی تخلیق اللہ رب العزت نے فرمائی مگر اس کی خوب صورتی کو دوبالا کرنے میں انسان بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ اس دنیا میں جتنے بھی قدرتی وسائل ہیں وہ سب اللہ رب العزت نے انسان کو امانت کے طور پر عطا کیے ہیں۔ یہ سب قدرتی وسائل کسی ایک ملک و قوم کی ملکیت نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسان حتیٰ کہ دوسری مخلوقات ان میں برابر کی شریک ہیں۔ جو نسل ان وسائل کو استعمال میں لاتی ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ ان قدرتی وسائل کے استعمال میں احتیاط سے کام لے کیونکہ یہ قدرتی وسائل آنے والی نسلوں کی امانت ہیں۔ قرآن پاک کے مطابق ان قدرتی وسائل کا استعمال تمام مخلوقات کی بھلائی کے لیے ہونا چاہیے۔

یہی وہ ماحولیاتی اخلاقیات ہے جس کی ذمہ داری ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اور قدرتی وسائل کو اس طرح استعمال نہ کرے کہ وہ آیندہ زمانوں اور نسلوں کے لیے باقی نہ رہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اُسے زندگی کی جن نعمتوں اور فطرت کے جن انعامات سے نوازا ہے انھیں صحیح طور استعمال کرے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری مخلوقات کو بھی ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرے بلکہ زمین میں پائے جانے والے قدرتی وسائل کو مزید ترقی دے، اور ان قدرتی وسائل کو زمین کے حسن کو دوبالا کرنے کے لیے بھی استعمال کرے۔ کاشت کاری اور پھل، پھول وغیرہ کے ذریعے اس کے حُسن کو دوبالا کیا جاسکتا ہے۔

احادیث کی روشنی میں

نبی پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اُس نے کھیتی باڑی کی ہو، درخت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگائے ہوں اور پھر اس کھیتی یا درخت سے پرندے، آدمی یا جانور خوراک حاصل کریں تو یہ اس کے حق میں صدقہ شمار نہ ہو"۔ (بخاری، جلد اول، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۸۰۳)

موجودہ دور میں ماہرین زراعت کے ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک کسان کھیت سے صرف ۴۰ فی صد اناج حاصل کرتا ہے۔ باقی ۶۰ فی صد چرند پرند کھا جاتے ہیں۔ یوں انسان کے ساتھ اللہ رب العزت نے دوسری مخلوقات کو بھی حصہ دار بنایا ہے۔ اسی تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے چین والوں نے مہم چلائی اور اپنے ملک میں تمام چڑیوں کو مار ڈالا۔ اسی سال اُن کی فصل پر ایک ایسے کیڑے نے حملہ کیا جس کو صرف چڑیاں کھاتی تھیں۔ اُس نے اُن کی تمام فصل کو تباہ کر دیا۔ چنانچہ دوسرے سال چین والوں کو چڑیوں کو واپس لانے کی مہم چلانی پڑی۔

نبی پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے: "جس کے پاس کوئی زمین ہے اور وہ خود زراعت نہ کر سکے تو اپنے بھائی کو دے دے"۔ (ایضاً)

اس حدیث میں بھائی سے مُراد صرف حقیقی بھائی نہیں بلکہ تمام مسلمان بھائی ہیں۔ اگر حقیقی بھائی کے پاس اپنی زمین ہے تو پھر پڑوسی کو دے دی جائے۔ اگر پڑوسی بھی صاحب جایداد ہو تو پھر کسی اور مسلمان بھائی کو دے دی جائے۔ زمین کا اصل مالک اللہ رب العزت ہے جس نے اس کو تخلیق کیا ہے۔ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا اللہ رب العزت ہے، لہٰذا اس زمین پر تمام مخلوقات کا حصّہ برابر ہے۔

اِسی سلسلے کی ایک اور حدیث ہے: "اگر تم میں سے کسی پر آخری وقت آجائے، اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں ایک پودا ہو تو وہ پہلے اُسے لگا دے"۔ (ایضاً)

اس حدیث میں درخت لگانے کی اہمیّت کو اُجاگر کیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا موجودہ دور میں نباتات کا جتنا بھی علم ہے اُس کا خلاصہ اس حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ "صحرا کے درخت کو مت کاٹو جس سے کسی انسان یا جانور کو رزق یا سایہ حاصل ہوتا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

درج بالا احادیث میں درختوں کی کاشت کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ درخت دن رات انسان اور دوسری مخلوقات کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ یہ فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کو جذب کرتے ہیں جو انسانی صحت اور دوسری جان دار اشیا کے لیے مضر ہے اور آکسیجن جس کا دوسرا نام زندگی ہے، خارج کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ کی حمد وثنا بھی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا میں جو مختلف گیسوں کا آمیزہ ہے، تمام گیسوں کو ایک خاص توازن میں رکھا ہوا ہے۔ اس میں نائٹروجن ۷۸ فی صد، آکسیجن ۲۱ فی صد اور باقی ایک فی صد ہیں۔ آکسیجن کے اس توازن میں ذرّہ بھر کمی ہو جائے تو لمحے بھر میں پوری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے اور اس کائنات سے زندگی کا نام ونشان مٹ جائے۔ موجودہ دور میں انسان اس توازن کو بگاڑنے میں لگا ہوا ہے۔ گاڑیوں کا دھواں، کارخانوں کے فضلات فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربن مونو آکسائیڈ میں (جو ایک خطرناک گیس ہے) شب وروز اضافے کا باعث بن رہے ہیں۔ ہوا میں قدرتی طور پر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار ۰۴ء۰ فی صد ہے، جب کہ موجودہ دور میں یہ شرح بڑھ کر چار فی صد ہوگئی ہے۔ درخت بھی ایک خاص مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں۔ یوں فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ ہوا کے توازن کو بگاڑ رہی ہے۔ اس کے علاوہ جب ایک شاپنگ بیگ اٹھا کر باہر کوڑا کرکٹ میں پھینک دیا جاتا ہے تو یہ اُس کوڑا کرکٹ میں سلفر ڈائی آکسائیڈ (SO_2) گیس پیدا کرتا ہے۔ یہ گیس ہوا میں شامل ہو کر وہاں سے آکسیجن لیتی ہے اور سلفر ٹرائی آکسائیڈ (SO_3) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ہوا میں شامل آبی بخارات کے ساتھ مل کر سلفیورک ایسڈ پیدا کرتی ہے جو تیزاب ہے۔ یوں انسان تیزاب کی بارش میں زندگی گزار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے جِلدی اِمراض میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ وہ ماحولیاتی اخلاقیات ہے جس پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان کے مطابق وہ خالق ہے، ولی ہے، مالک الملک ہے، رزاق ہے، مقیت ہے، حافظ ہے۔ یہ تمام صفات اللہ رب العزت نے انسان کو بھی عطا کی ہیں، یعنی انسان اللہ رب العزت کی صفات کا آئینہ دار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ رب العزت کی صفات لامحدود ہیں، جب کہ انسان میں یہ صفات محدود ہیں۔ انسان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام ہے کہ وہ ان صفات کو قدرتی ماحول، قدرتی وسائل کے تحفظ اور ان کی بقا اور برقراری کے تحفظ کے لیے استعمال میں لائے کیونکہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھول گیا کہ اُسے اس زمین پر امن کی فضا پیدا کرنی ہے۔ اس کے بجائے وہ زمین پر فساد پھیلانے میں مصروف ہے، اس کے توازن کو بگاڑ رہا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

> خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔ کہہ دو، ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا۔ ان میں زیادہ تر مشرک ہی تھے۔ (الروم ۳۰:۴۱-۴۲)

اس آیت کریمہ میں فساد سے یہ مراد ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو جو چیزیں، نعمتیں اور قدرتی وسائل بطور امانت بخشے، وہ ان کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے زندگی گزارنے کے جو طریقے بتلائے اور فطرت کے جو ضابطے مقرر کیے ہیں ان کی خلاف ورزی کرتا اور کائنات کے نظم و ترتیب کو بگاڑتا ہے۔ انسان جب بھی فطرت میں کوئی بگاڑ پیدا کرتا ہے اُس کا نقصان خود انسان ہی کو ہوتا ہے۔ فطرت کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ ہوا کے توازن میں بگاڑ پیدا ہوگا تو انسان کو سانس لینے میں دشواری ہوگی۔ فطرت کے لیے کوئی دشواری نہیں ہے۔

چند توجہ طلب امور

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس بگاڑ اور فساد کی روک تھام کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ہوا، پانی، زمین، جانوروں اور نباتات کے تحفظ اور سلامتی کی اہمیت اور افادیت کو اُجاگر کیا ہے، اور انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اُن کے اندر کوئی بگاڑ پیدا کرے گا تو ان چیزوں کا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ نقصان بذات خود انسان کو ہوگا۔ چیونٹی ایک چھوٹی سی جان دار شے ہے مگر زمین کی زرخیزی میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔

○ **پانی زندگی ہے**: اللہ رب العزت نے پانی کو زندگی کی بنیاد قرار دے کر انسان کو اس کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے: ''ہم نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا''۔ (الانبیاء ۲۱:۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر جان دار کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ جدید سائنسی تحقیق نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کے جسم میں ۷۰ فی صد پانی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اُگائی' پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے' پھر ان سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں' اور انگور' زیتون اور انار کے باغ لگائے جس کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو' ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں''۔ (الانعام ۶:۹۹)

درج بالا آیت میں ایک وسیع موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں پانی اور پودوں دونوں کی اہمیّت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ پانی کا پودوں اور قدرتی ماحول سے گہرا تعلق ہے۔ پودے زمین سے پانی جذب کرتے اور عمل تبخیر کے ذریعے پتوں میں سے پانی کا اخراج ہوتا ہے۔ یہ پانی فضا میں آبی بخارات کی شکل میں شامل ہو کر نہ صرف فضا کو صاف کرتا ہے بلکہ درجہ حرارت میں بھی کمی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ پھلوں کا اہم جز پانی ہے۔ پھل انسانی صحت کے لیے ضروری ہیں۔ پھر درختوں کی اہمیّت بتائی گئی ہے۔ درخت بھی قدرتی ماحول کا اہم حصّہ ہیں۔ جہاں درخت زیادہ ہوں گے وہاں کا درجہ حرارت کم ہوگا۔ درخت بذاتِ خود بارش لانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بارش فضا میں موجود آلودگی کے خاتمے کا سبب بنتی ہے۔ بارش کا یہ پانی زمین میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں دوبارہ پینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ زمین فلٹر کا کام کرتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: ''کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو' اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں' ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں' پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟'' (الواقعہ ۵۶:۶۸-۷۰)

اللہ رب العزت نے انسان کو میٹھا پانی عطا کیا' لیکن آج کا انسان کارخانوں کے فضلات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس کو خود ہی کھاری بنا رہا ہے۔ پانی پر تمام مخلوقات کا برابر کا حق ہے لیکن انسان نہ صرف دوسری مخلوقات کی زندگی کو کھاری پانی سے اجیرن کر رہا ہے بلکہ خود اپنا بھی نقصان کر رہا ہے۔ ہیپاٹائیٹس موذی مرض کا سبب گندہ پانی ہے۔ اسی گندے پانی میں سبزیاں وغیرہ اُگائی جاتی ہیں جن کی رگوں میں گندے اجزا شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کے کھانے سے انسان میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ نبی پاکؐ نے فرمایا: مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی، نمک اور آگ (ابن ماجہ)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسولؐ! پانی والی بات تو سمجھ آ گئی، مگر نمک اور آگ کا کیا معاملہ ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: جو شخص آگ دے گا گویا اُس نے وہ ساری چیزیں صدقہ کر دیں جو اُس آگ نے پکائی ہیں، اور جس نے نمک دیا، اُس نے ساری چیزیں صدقے میں دے دیں جن کو نمک نے اچھا بنایا، اور جس شخص نے کسی ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تھا تو اُس نے گویا کسی کو زندہ کر دیا"۔ (القرآن، بخاری، جلد دوم باب الصدقہ)

اسلام نے پانی کے ضرورت سے زیادہ استعمال سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک دفعہ نبی پاکؐ ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ صحابیِ رسولؐ سعدؓ وضو کر رہے تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: اے سعد! اسے کیوں ضائع کر رہے ہو۔ اس پر سعدؓ نے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسولؐ! وضو میں بھی پانی ضائع ہوتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: اُس وقت بھی جب تم بہتے ہوئے دریا کے پاس ہو"۔ (مسند امام احمد، ابن ماجہ)

احادیث میں ایسے متعدد ارشادات نبویؐ ملتے ہیں جن میں کاشت کاری کی اہمیّت اور درخت لگانے پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ ماحولیاتی اخلاقیات اور زندگی کی حرمت کا یہی عرفان ہے جس کے تحت حرم کی حدود میں کسی جان دار کا شکار کرنے یا درخت کاٹنے کی مکمل ممانعت کی گئی ہے۔

○ **جانوروں سے سلوک**: اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے جانوروں پر ظلم اور انھیں تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا ہے اور ان پر رحم کرنے کو اعلیٰ ترین کارِ خیر قرار دیا ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ایک شخص سفر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جا رہا تھا کہ اُسے پیاس لگی اور وہ ایک کنویں پر گیا اور اس کا پانی پیا۔ وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے اُس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے تڑپ رہا ہے اور کیچڑ کھا رہا ہے۔ اس شخص کو خیال آیا کہ یہ کتا اسی تکلیف میں ہے جس سے میں گزر چکا ہوں۔ سو وہ کنوئیں پر گیا اور اُس نے اپنے جراب میں پانی بھرا اور کتے کی پیاس بجھادی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا' اور اُسے بخش دیا۔ لوگوں نے سوال کیا: یارسولؐ اللہ! کیا جانوروں کی خدمت کارِثواب ہے؟ اس پر نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ہاں بے شک جانوروں کی خدمت میں بھی ہمارے لیے بڑا ثواب ہے۔(بخاری)

○ **قدرتی وسائل کا تحفظ:** نبی پاکؐ کے زمانے میں قدرتی وسائل کے تحفظ کی غرض سے محفوظ علاقے قائم کرنے کا بھی قانون تھا۔ ان علاقوں میں موجود جنگلات، پانی کے ذخائر اور جانوروں کو کسی بھی طرح نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر جنگ کے دوران فصلوں اور باغات کو تباہ کرنے سے منع فرمایا۔ اِس کے بعد خلفاے راشدین نے اسی روایت کو جاری رکھا۔ یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ اس اصول کے تحت مکہ مکرمہ کے اطراف میں سارے علاقے کو حرم قرار دیا گیا ہے جہاں کسی بھی جانور یا درخت کو نقصان پہنچانا جرم ہے۔ ایک حدیث کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر نبی پاکؐ نے روز قیامت تک اسے مقدس قرار دیا۔ یہاں کے کانٹے نہ کاٹے جائیں' یہاں کے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے اور یہاں کی کوئی چیز کھو جائے تو اسے کوئی نہ اٹھائے سوائے اس کے جو اٹھائے اور اُس کا اعلان کرے' اور یہاں کے سبزہ کو کاٹا نہ جائے''۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! سوائے اذخر کے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: سوائے اذخر کے''۔(بخاری' جلد اول' کتاب فی اللقطۃ)

یہ حدیث ماحولیاتی اخلاقیات کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ نہ صرف مکہ مکرمہ بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے لازم ہے کہ ماحول کو خرابی سے بچائیں۔

خلاصۂ بحث

اس ساری بحث سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- تمام کائنات اور اس کے مظاہر فطرت اللہ کی نشانیاں ہیں اس لیے ان کا تقدس بحال رکھنا انسان کا فرض عین ہے۔
- انسان جس کو اللہ رب العزت نے اپنا خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے' اُسے دیگر مخلوقات اور خود اپنے لیے خیر وفلاح کے کام کرنے چاہییں اور اپنے رب کی عبادت کرنی چاہیے۔
- فطرت کے تمام قدرتی وسائل اُسے بطور امانت سونپے گئے ہیں' وہ اس امانت میں خیانت نہ کرے اور ان قدرتی وسائل کو خیر وفلاح کے لیے استعمال کرے اور ہر قیمت پر ان کا تحفظ کرے اور ان کی بقا کو یقینی بنائے۔ یہ اُس کا اخلاقی فریضہ ہے۔
- انسان خدا کی دی ہوئی نعمتوں اور قدرتی وسائل کے بے رحمانہ استعمال کو ترک کر کے زمین پر فساد پھیلانے سے گریز کرے کیونکہ یہ فساد خود اُسی کے لیے نقصان دہ ہے۔

قرآن پاک اپنے اسلوب بیان میں واحد آسمانی کتاب ہے جس میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے ماحولیاتی اخلاقیات کے بارے میں قرآن پاک خاموش رہے۔ قرآنی فکر اور پاک وصاف طرز معاشرت میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے جس قدر انسان کی فکر پاکیزہ ہوگی اُسی قدر طرز معاشرت پاک وصاف ہوگا۔ اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ ارشاد ربانی ہے: ''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی''۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)

اس آیت سے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اولاد آدم کی عزت کو پاکیزہ روزی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ماحول کے ساتھ ساتھ جسم کی پاکیزگی اور جسم کے ساتھ روح کی پاکیزگی ضروری ہے۔ روح تب ہی پاکیزہ ہوگی جب رزق پاکیزہ ہوگا اور رزق تب ہی پاکیزہ ہوگا جب انسان کی فکر پاکیزہ ہوگی۔

اِسی پاکیزگی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن پاک میں اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ: ''بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں سے''۔ (البقرہ ۲:۲۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب انسان گناہ کرتا ہے تو گناہ بھی آلودگی ہے۔ اس سے انسان کے دل پر (فکر) پر ایک سیاہ دھبہ بن جاتا ہے لیکن جب وہ توبہ کرتا ہے، تو اُس کا یہ عمل سیاہ دھبے کو صاف کر دیتا ہے۔ یوں دوبارہ اُس کا دل (فکر) صاف ہو جاتا ہے۔ توبہ کا اصل کام صفائی ہے۔ یہ آیت مابعد الطبیعیاتی نوعیت کی ہے۔

آخر میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ماحول کو پاک و صاف رکھنے اور ماحولیات کے تحفظ کے بارے میں تمام تدابیر صرف اسی وقت کارآمد ہوسکتی ہیں جب انسان کے دل میں اللہ رب العزت کا خوف، اس کی مخلوقات سے محبت، ہمدردی اور اپنے حقوق اور فرائض کی ادایگی کا تصور نقش ہو جائے اور اس کی فکر میں پاکیزگی آجائے۔ جب انسان قرآن پاک کی ہدایات پر عمل پیرا ہوگا، تب ہی اُسے ایک خوش گوار فضا اور صاف ستھرے ماحول میں سانس لینا نصیب ہوگا۔

اس دنیا میں تین طرح کے اصول کارفرما ہیں۔ ایک طاقت کا اصول ہے، ہر کوئی دوسرے کو دبانا چاہتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر کوئی خوش رہنا چاہتا ہے۔ تیسرا اصول اخلاقیات کا، یعنی اپنے فرائض اور حقوق کو پہچاننے کا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہر کوئی خوش گوار ماحول میں اپنی زندگی بسر کرے تو ہمیں تمام معاشروں میں اخلاقیات کے اصول کو حاوی کرنا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاقت کا اصول خود بخود دم توڑ دے گا اور ہر کوئی خوش گوار ماحول میں زندگی بسر کرے گا۔

اسلام کے ماننے والوں کو دنیا کے سامنے ایک متبادل ماحولیاتی حکمتِ عملی پیش کرنا چاہیے۔

محترمہ شمع سلیم، جن کے دو مقالات گذشتہ مہینوں میں ترجمان میں شائع ہوئے، عید کے اگلے روز جبیل (سعودی عرب) میں ایک ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ رٰجعون ۔ اللہ تعالیٰ انھیں جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر عطا کرے۔ ادارہ اور قارئین ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدیدیت، سائنس اور الہامی دانش کا مسئلہ

طارق جان ○

کچھ عرصہ سے بعض انگریزی اخبارات میں سوچی سمجھی سازش کے تحت قرآن کو نعوذ باللہ ماضی کی ایک روایتی دانش، مسلمانوں کے ماضی کو ایک خیالی دنیا (یوٹوپیا) اور اسلام کی طرف ہماری آرزوے مراجعت کو 'پتھر کے دور' کی طرف پلٹنے کے مترادف گردانا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے مذہب اور سائنس میں کوئی ازلی تصادم ہے۔ درج ذیل مضمون میں انھی مقدمات پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔

جدیدیت کیا ہے؟ یہ اصرار کرنا کہ جدیدیت (modernity) اور مغربیت لازم و ملزوم ہیں اور کسی معاشرے کے جدید بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغربیت کو اپنائے' دراصل ایک پیچیدہ سوال کو سادگی سے پیش کرنا ہے۔ ایسی روش نہ صرف بدنیتی پر مبنی ہے بلکہ اپنے اندر خطرناک سیاسی مضمرات بھی سموئے ہوئے ہے۔ میں اسے بدنیت روش اس لیے کہتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کی 'بیماری' کے لیے مغرب کے تجویز کردہ نسخے کی بُو آتی ہے۔ کیلی فورنیا میں 'ورلڈ افیرز کونسل' کے سامنے سابق وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر کی تقریر میں مغربی اقدار کے ذریعے سے مسلم عوام کی تبدیلیِ قلب کی بات کی گئی ہے۔ اہل مغرب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی انھیں مغربی تسلط کے خلاف مزاحمتی جذبہ عطا کرتی ہے۔ اور یہ کہ وہ اسی صورت میں مغرب کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے کہ ان کے وجود سے اسلام کو نکال کر انھیں نیا روپ اور نیا وجود دے دیا جائے۔

○ سینیر ریسرچ فیلو' انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' اسلام آباد۔ ترجمہ: صاحب زادہ محب الحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح یہ دعویٰ کرنا بھی حد درجہ سادگی اور بھولپن ہوگا کہ دنیا نے صرف موجودہ عہد میں ہی جدیدیت دیکھی ہے۔ درحقیقت ہر عہد کی اپنی ایک جدیدیت ہوتی ہے جس کا تعلق انسانی حالات کی بہتری سے ہے، جو حکومتی کارکردگی اور مستعدی کو یقینی بنانے سے لے کر پیداوار کے ذرائع میں بڑھوتری مواصلاتی نظام کی ترقی پر محیط ہے۔ کوئی بھی معاشرہ جو ان نتائج کو حاصل کر لیتا ہے جدید معاشرے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مذہب اور تاریخ کے بندھنوں سے آزاد خودی اور ذات (self) کے وہ نظریات، جو نفس انسانی کو ہر چیز کے بارے میں مختارکل اور فیصلہ کن صفات کا حامل قرار دیتے ہیں، محض انھیں جدیدیت کے اجزاے ترکیبی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرتی عقائد و اقدار خواہ کچھ بھی ہوں، ہر عہد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سماجی اور تاریخی تقاضوں کے جواب میں دلیل اور عقل کو بروے کار لائے۔ لیکن اظہار عقل یا دلیل (reason) کے روبہ عمل ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام ورثے کے انہدام کی حد تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ وہ نقطہ ہے جہاں اس کا تعلق زندگی سے باقی نہیں رہتا۔

سائنس اور روحانی اقدار

اسی طرح یہ بھی کوئی صحیح سائنس فہمی نہیں ہوگی اور نہ زندگی سے متعلق مسائل کے بارے میں مذہبی رویے کی صحیح توضیح ہی ہوگی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ سائنس تو صرف ایجابی اور حسابی عمل (empiricism) ہے جس کا اخلاقی و روحانی اقدار سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا اور مذہب محض غیر عقلی توہمات ہیں جو انسان کی ترقی میں حائل ہیں۔

تھامس ایس کوہن (Thomas S. Kuhn) نے اپنی تحسین یافتہ تحریر The Structure of Scientific Revolution (سائنسی انقلاب کا ہیکل ترکیبی) میں آزاد منشوں اور لادینوں کی اس متشددانہ فکر کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

اس لیے اخلاقی اقدار کو نظرانداز کر کے سائنسی علوم کو اختصاصی یا استثنائی مقام دینا اور سمجھنا کہ جیسے یہ انسانوں اور ان کے احوال سے کوئی بالا مجموعۂ خیالات و فکر ہیں بذات خود سیکولر متشددانہ سوچ ہے جسے علمی اور عقلی معیارات باطل قرار دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاید اسی لیے البرٹ آئن سٹائن سے متعلق یہ واقعہ پڑھ کر ہمیں کوئی اچنبھا نہیں ہوتا۔

بقول ڈاکٹر برائین سِوم (Brian Swimme) جو بذاتِ خود ایک سائنس دان ہے:

> آئن سٹائن بارہا مایوسی کا شکار ہوا کیونکہ وہ تخلیق کائنات کے ضمن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ دوسروں کو سمجھانے میں ناکام رہا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اسے کس چیز کی تلاش ہے؟ تو اس کا جواب تھا: ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ ذاتِ قدیم [اللہ] سوچتی کیسے ہے؟ باقی تو تفصیل ہے۔

جیسا کہ سائنس دان فریڈ ہائل (Fred Hoyle) نے اپنے گہرے مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہی:

> مجھے ہمیشہ یہ بات بڑی عجیب لگی کہ جہاں سائنس دانوں کی اکثریت دین و مذہب سے پرہیز کرتی ہے، فی الاصل ان کے تصورات پر مذہب کا اثر اور غلبہ علماے دینیات سے بھی زیادہ دیکھنے کو ملا ہے۔

اسی طرح الہامی مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا دکھانا اب علمی اور سائنسی حلقوں میں ایک فرسودہ اور از کار رفتہ بات سمجھی جانے لگی ہے۔ کیونکہ تصادم اور کش مکش کا یہ تصور ران کی حقیقی روح سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان دونوں کی ایک مختلف النوع تاریخ ہے، یعنی کبھی تو ان میں عمل داری (territory) کے سوال پر کشیدگی اور تناؤ کی کیفیت نظر آتی ہے اور کبھی دونوں ساجھی بن کر ہاتھ میں ہاتھ دے کر ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔

اصول و نظریات کے ٹکراؤ کا تصادم ماڈل (Conflict model) جو وائٹ (White) اور ڈریپر (Draper) نے صدی بھر پہلے وضع کیا تھا، اور جسے لبرل لادین حضرات مذہب پر پھبتیاں کسنے کے لیے اکثر حوالے کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں، اس کا اعتبار قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایسا بیش بہا تحقیقی مواد موجود ہے جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مغرب میں سائنسی علوم کی نمود اور ترویج میں ان مذہبی تعلیمی اداروں کا بڑا ہاتھ ہے جو چرچ (کلیسا) کے قائم کردہ تھے۔ ان میں یسوعی فرقہ اور متکلمین (Jesuits and Scholastics) نمایاں گروہ ہیں، جب کہ اسلامی دنیا میں دینی مدارس (روایتی اسکولوں) نے مربوط فنون کے وہ علما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حکما پیدا کیے جو بہ یک وقت دینیات، کارگاہ فطرت اور سماجی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ خود نظام سرمایہ داری، جو جدیدیت کی جان ہے، اپنی ترقی اور ارتقا کے لیے پروٹسٹنٹ ضوابط اخلاق کی ممنون ہے۔ اس موضوع پر معروف جرمن ماہر عمرانیات میکس ویبر (Max Weber) کی کتاب ایک جان دار تحریر ہے۔

جدیدیت کا منفی رُخ

آج کی دنیا کے لیے سائنس کی جو بھی اہمیت ہو اور انسانی احوال کی بہتری اور مادی نمو میں اس کا جو بھی کردار رہا ہو، اس نے ساتھ ہی مسائل کا ایک انبار بھی کھڑا کر دیا ہے جو مسلسل اور مستقل بنیادوں پر حل طلب ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں یہ مسائل ابھی چنداں نمایاں نظر نہیں آتے لیکن صنعتی مغرب کو اسی سائنس کے ہاتھوں نت نئی مصیبتوں کا سامنا ہے جو جدیدیت کا مخصوص تحفہ ہیں۔ ٹکنالوجی نے انسان کو شرفِ انسانی سے محروم کر دیا ہے۔ اس کو قدرتی سادہ ماحول سے نکال کر مشینی اختراعات (gadegetry) کی دنیا میں اُلجھا دیا ہے جس نے ایک ایسے ذہنی رویے کو جنم دیا ہے جو بقول پروفیسر تارنس (Tarnas) ہر مسئلے کا حل ٹکنالوجی میں 'حقیقی وجودی محرکات کی قیمت' پر تلاش کرتا ہے۔ جدیدیت نے فضائی آلودگی، ماحولیاتی نظم (ecosystems) اور اوزون (Ozone) تہہ کی بربادی کے مسائل بھی پیدا کر دیے ہیں۔ سماجی حوالوں سے بھی جدیدیت کے اثرات و نتائج ہولناک ہیں۔ جرائم کی شرح کبھی اس بلند سطح پر نہ تھی جیسی آج ہے۔ شراب نوشی، نشہ بازی، بے مہار جنسی طرزِ عمل، غیر شادی شدہ ماؤں اور ناجائز اولاد کی بھرمار، جنسی امراض خبیثہ، برہنگی کا رواج (nudity) اور نفسیاتی امراض ـــــ یہ سب اس دورِ جدید کے شاخسانے ہیں۔

اور تو اور جنگوں میں انسانوں کا قتلِ عام نئی حدود کو چھو رہا ہے۔ اب فرد سے فرد کا دُوبدُو مقابلہ نہیں ہوتا جہاں عمل اور ردِعمل کا فیصلہ انفرادی انسانی سطح پر ہوتا تھا۔ جہاں فتح و شکست کو ذاتی تجربے کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ جب قاتل اور مقتول آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے اور لڑائی اور مقابلے کے ہر پہلو کو شجاعت، انتقام، نجات، پچھتاوے اور المیے سے بھرپور انسانی ڈرامے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روپ میں پڑھ سکتے تھے۔ جدیدیت نے اس جنگ کو بھی غیر انسانی کر دیا۔ اب انسان قتل نہیں کیے جاتے بلکہ دور پار سے چلائے گئے عام بربادی کے ہتھیاروں کے ذریعے پوری کی پوری آبادیاں ہلاک کر دی جاتی ہیں جو اپنے پیچھے ریڈیائی لہروں سے آلودہ پانی کے ذخائر اور مسخ شدہ لاشوں کے ڈھیر چھوڑ جاتے ہیں۔ یقیناً یہ سب کچھ جدیدیت کا کوئی خوب صورت روپ نہیں دکھاتا۔

جدیدیت سے متعلق ڈاکٹر پپن (Pippin) کا تجزیہ ایک ایسا مواخذہ ہے جس میں جدیدیت اور اس کے نتائج و عواقب کے متعلق مغربی سوسائٹی کے اندیشوں کا نچوڑ سامنے آ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''جدیدیت نے ہم سے ایک ایسی ثقافت کا وعدہ کیا تھا جس کے زیرِسایہ لوگ خوف سے آزاد، معقول، مائل بہ جستجو اور خودکفیل ہوں گے۔ لیکن بدرجہٴ آخر ہمیں ایک ریوڑ نما سوسائٹی ملی جس کے افراد حیران و سرگرداں، ڈرپوک، مقلد اور روایت پسند 'بھیڑیں' ہیں ——— یک قطبی' پیش پاافتادہ اور لش پش ثقافت''۔ ڈنکن ولیمز (Duncan Williams) کا خیال ہے کہ مغربی دنیا اور اس کی تہذیب و ثقافت ''تشدد اور انسانیت سوز بہیمیت سے لبریز ہو چکے ہیں''۔

اس چیز نے مشہور برطانوی مورخ ٹائین بی (Toynbee) کو جدیدیت اور مغرب کے مستقبل کے بارے میں پریشان کر دیا تھا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ اسے جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ روزِ روشن کی طرح عیاں تھا۔ اپنی موت سے کچھ پہلے اس نے لکھا: ''دنیا کی تباہی کا مستقبل قریب میں واقع ہونا جسے انبیا و رسل نے وجدانی طور پر مشاہدہ کیا، اُس کے قدموں کی چاپ اب سنائی دینے لگی ہے۔ آج اس منتہا کا قریب الوقوع ہونا محض ایمان بالغیب کی بات نہیں بلکہ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک مانی ہوئی حقیقت اور شدنی واقعہ ہے''۔

میکس ویبر تو یہاں تک کہہ گیا ہے کہ 'جدیدیت: افسرشاہی عقلیت پسندی کا آہنی پنجرہ ہے' جس نے ہمارے اس جدید دور کی زندگی کے ہر پہلو کو گرفت میں لیا ہوا ہے۔ ویبر کا خیال ہے کہ یہ آہنی پنجرہ اس قابل نہیں کہ اس میں محبوس رہ کر زندگی گزاری جائے۔ اس کا اندازہ ہے کہ مستقبل میں ''اس بے بہا ترقی کے اختتام پر بالکل نئے مصلحین اور مبلغین سامنے آئیں گے۔ یا پھر پرانے تصورات اور نظریات کو دوبارہ ایک عظیم حیاتِ نو ملے گی''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب کا تخلیقی کردار

اسلام جیسے الہامی ادیان و مذاہب نے کبھی مادی ترقی کی مخالفت نہیں کی۔ فی الحقیقت اسلام ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت ترقیاتی ماڈل کا علم بردار ہے۔ اور اس نے انسانی زندگی میں مادی بہتری اور خوش حالی لانے کے لیے ہمیشہ سائنسی ترقی میں مدد دی۔ قرآن بنیادی طور پر سائنس کی کتاب نہیں لیکن اس نے فطرت (nature) اور اس کے طریق عمل کے بارے میں جو بھی خبر دی ہے وہ سچ ثابت ہوئی۔

کوپرنیکائی انقلاب (Copernican Revolution)، نے اپنے لازم اثر اور نتیجے کے طور پر انسان کی اصل پوزیشن بدل کر رکھ دی کہ وہ اشرف المخلوقات نہیں بلکہ لاتعداد سیاروں اور سیاروں سے مزین بے کراں کائنات کی سطح پر محض ایک حقیر مخلوق ہے۔ یہ نظریہ اب نئے تصورات اور انکشافات کے سامنے اپنا علمی دبدبہ اور وقار کھو بیٹھا ہے۔ جدید فلکیاتی دریافتوں پر مبنی تازہ ترین تصور یہ ہے کہ ہماری زمین اس مسلسل پھیلتی کائنات کے عین مرکز میں واقع ہے۔ یہی بات ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کائنات پھیل کر جتنی بھی وسیع ہو جائے، نسل انسانی سے آباد یہ زمینی کرّہ ہمیشہ اس کے مرکز میں رہے گا۔ انسان کی یہ صلاحیت کہ نظم کائنات اس کی ذہنی گرفت میں ہے اس کی غیر معمولی خصوصیّت کا ایک اور پرکشش اور جاذب نظر پہلو ہے۔ ڈاکٹر پال ڈیویز (Paul Davies) جیسے سائنس دان یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ انسان میں یہ حیرت انگیز صلاحیت کیوں اور کیسے موجود ہے کہ وہ کائنات کے رازوں کا متلاشی رہا ہے اور انھیں منکشف کرتا رہتا ہے۔ اس کا یہی مطلب بنتا ہے کہ انسان اور کائنات میں اس کے مقام و مرتبے کی ایک خاص اہمیّت ہے۔ قرآن انسان کے اسی شرف اور تکریم کے لیے توصیفی کلمات ادا کرتے ہوئے اس کی ذہنی، جذباتی اور اخلاقی ترکیب کی بہترین تشکیل کو 'احسن تقویم' قرار دیتا ہے۔

اسی طرح پھیلتی بڑھتی کائنات کا تصور سائنسی دنیا میں ایک نسبتاً تازہ خیال ہے۔ اس سے پہلے مسلسل وسعت پذیر کائنات کی بات آئن سٹائن جیسے لوگوں کو بھی پریشان کر رہی تھی۔ شاید یہ بات سن کر لوگوں کو اچنبھا ہو کہ اپنے 'عمومی نظریۂ اضافیت' (General Therory of Relativity) کے ساتھ ساتھ ہی آئن سٹائن نے ۲۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ کائنات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وسعت پذیری کا حسابی امکان موجود ہے۔ چونکہ اس کا یہ اکتشاف اس وقت کے سائنسی عقائد کے خلاف جارہا تھا، اس نے 'کائنات غیر مبدلات' (cosmological constants) کی حسابی اصطلاح کی آڑ میں اپنی نئی دریافت کو دنیا سے چھپالیا مبادا اس سے اس وقت تک کے قائم نظریات کہیں تحلیل نہ ہو جائیں۔

لیکن چھے برس بعد ہبل (Hubble's) کی رصدگاہ نے وسعت پذیر کائنات کی تصدیق کر دی جسے آئن سٹائن نے ابتداءً نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا واقعی کائنات کی وسعت پذیری ایک نیا تصور تھا؟ جی ہاں، لیکن صرف سائنس کے لیے' قرآن کے لیے نہیں جس نے صدیوں پہلے کہہ دیا تھا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ o (الذاریٰت ۵۱:۴۷)

آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم (اس کی پوری قدرت رکھتے ہیں اور اُسے وسعت دیتے جارہے ہیں۔

قرآن میں چاند کا اس انداز سے (بھی) ذکر موجود ہے کہ یہ ایک جداگانہ وجود ہے اور یہ (محض) سورج کے انعکاس سے ہی منور نہیں جو سائنس کا اب تک کا مسلّمہ نظریہ تھا۔ آج نئی فلکیاتی دریافتیں بتاتی ہیں کہ اس کی تنویر (روشنی) خود اس کے اپنے وجود سے ہے۔ بہ قول ڈاکٹر سوِم (Swimme) چاند کوئی ''منجمد تودہ نہیں ہے ___ بلکہ ایک اہم واقعہ (event) ہے جو موجوداتِ عالم میں ہر لحظہ تھرتھرا رہا ہے''۔

مذہبی عقیدہ کس طرح کائنات کی صحیح تصویر کشی تک رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال پروفیسر عبدالسلام کے تحقیقی مقالے 'حسنِ توازن کے تصورات اور مادے کا بنیادی نظریہ' (Symmetry concepts and the fundamental Theory of matter) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پروفیسر موصوف کے کام کو ان نظریات کا حصّہ مانا جاتا ہے جنھوں نے ۲۰ویں صدی کی بہت سی دریافتوں اور ترقیات کی اساس مہیا کی۔ اپنے شان دار تحقیقی کام میں پروفیسر عبدالسلام نے دکھایا ہے کہ کائنات اور اس کے اجزا میں اعتدال اور تناسب ہے جس نے اسے توازن کا حسن عطا کیا ہے۔ اپنے مقالے کا لب لباب اور نچوڑ وہ قرآن کے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○ (الملک ۶۷: ۳-۴) تم رحمٰن کی تخلیق میں کس قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی)۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا تحقیقی کام جس کے لیے انھیں نوبل انعام ملا، فطرت میں موجود کمزور اور برق مقناطیسی (electromagnetic) قوتوں کے اتحاد و اتصال کو ثابت کرتا ہے کہ یہ دراصل ایک ہی قوت کے دو پہلو ہیں۔ یہ خیال انھیں اصلاً الہامی تصور توحید اور تخلیق کی وحدت سے حاصل ہوا جس کا ظہور ایک ذات واحد —— خالق کائنات —— سے ہوا ہے۔

چنانچہ سائنس کی مخالفت تو دُور کی بات ہے، مذہبی عقائد کا کردار تو تخلیقی عوامل کا رہا ہے۔ جب بھی انھوں نے دیکھا کہ سائنس کائناتی سچائی کی تلاش میں غلط نتائج پر پہنچ رہی ہے تو انھوں نے اس کی لغزشوں کی تصحیح کی۔ آج تک کوئی ایسی قابل قبول شہادت سامنے نہیں آئی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ دین و مذہب سائنسی طرز فکر و عمل کی ضد ہیں۔ اِکا دُکا واقعات جیسے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں کسی سعودی مسلمان نے ٹیلی ویژن توڑ دیا' یا برسوں پہلے کچھ 'علما' نے لاؤڈ اسپیکروں کے استعمال کی ممانعت کا فتویٰ دیا، یہ قطعاً ثابت نہیں کرتے، نہ ان کی یہ شرح و تعبیر جائز ہے کہ سائنس کی کوئی منتظم مخالفت ہوئی۔ پھر ایسی خطاؤں کو صرف علماے دین سے جوڑ دینا بھی غلط ہے۔ ایک شاذ قول یا واقعے کو اجتماعی رویہ اور اصول و کلیہ قرار دینا بجاے خود غیر سائنسی رویہ ہے جو اِن اصحاب کو تو بالکل نہیں جچتا جو واضح حقائق کو نظرانداز کرتے ہوئے سائنسی حجت کا مقدمہ لڑتے پھرتے ہیں۔

اور اگر بالفرض ٹیلی ویژن کی بھی دین دار حلقوں کی جانب سے مخالفت کی بھی گئی تھی تو یہ کسی مشینی ایجاد کی مخالفت نہیں تھی بلکہ اس کے ممکنہ تہذیبی اثرات تھے جنھیں وہ وقت سے پہلے دیکھ رہے تھے۔

آج اکیسویں صدی میں ٹیلی ویژن کے مضر اثرات بذات خود ایک حقیقت ہیں اور پچھلے دو عشروں میں ان پر متعدد نوعیت کا تحقیقی کام ہوا ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ اس سے یادداشت کُند ہو جاتی ہے، عرصہ توجہ (attention span) مختصر ہو جاتا ہے، تحریر پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مسلسل بیٹھنے سے جسمانی ساخت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ مارشل میکلوہن (Marshal Mcluhan) کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے متعلق مطالعے اپنی تخلیقی جدت اور گہرائی کے حوالے سے غیر متنازع ہیں۔ وہ جب ٹیلی ویژن کو 'ابلہ و بے مغز (idiot) باکس' کا نام دیتا ہے تو بالکل حیرت نہیں ہوتی۔

اسی طرح یہ باور کرنا اور کراتے رہنا کہ ہماری ساری کوتاہیاں اور کمزوریاں ان علما کی وجہ سے ہیں، ایک سنگین غلط بیانی ہے۔ مثلاً اس کا تو یہ مطلب بنتا ہے کہ پاکستان پر یہی علمائے دین حضرات حکمران رہے ہیں، ہماری سول سروس کو یہی بزرگ چلا رہے ہیں، ہمارے تعلیمی ادارے انھی کے ہاتھوں میں ہیں اور آزادی کے بعد کی چھے عشروں کے دوران ہماری قومی پالیسیاں یہی علما طے کرتے رہے ہیں۔ یہ جو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، کیا اس کے ذمہ دار یہی مولوی حضرات ہیں؟ ایسا اخذ کردہ نتیجہ قطعاً غیر سائنسی ہوگا۔ بالخصوص جب یہ رویہ ان لوگوں کا ہو جو راگ تو سائنس کا الاپتے ہیں لیکن سامنے کے حقائق سے منہ موڑتے ہیں۔ ایسی روش خود عقلی سوچ کی تذلیل ہے، سنجیدہ بحث و مباحث میں پامال خیالات اور تراکیب نہیں چلتیں۔ اگر ماضی کی پالیسیوں کے لیے کسی کو موردِ الزام ٹھیرانا ہی ہے تو انگلی، چار و ناچار پڑھے لکھے مغربی نقالوں کی طرف ہی اُٹھے گی جنھوں نے اپنے آپ کو بڑا جدیدیت پرست سمجھا اور جتایا لیکن ایک اچھی حکمرانی کی ابجد سے بھی ناآشنا نکلے۔

جدیدیت بذات خود کوئی شے نہیں

اسی طرح قرآن پاک کو 'استہزاءً موصولہ دانش' (received wisdom) قرار دینا ایک ناقابلِ معافی جسارت ہے۔ قرآن اس لحاظ سے تو موصولہ ہے کہ وہ ایک الہامی کتاب ہے لیکن اسے اس معنی میں موصولہ کہنا جیسے وہ کوئی قدیم اور فرسودہ رسومات وعقائد کا مجموعہ ہو جو مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے، صریح کذب بیانی ہے۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ منکرین پر اپنا مدّعا ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان کے انکار میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ صرف ان لوگوں پر اپنے معانی و مفہوم ظاہر کرتا ہے جو اس کے مضامین اور خبروں پر غور کرنے کے لیے سنجیدہ ہوں اور جن کا اللہ رب العزت اور یوم الحساب پر پختہ ایمان ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سب کہنے کے باوجود یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا مسلمان جدیدیت سے نفرت کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان جدیدیت سے نفرت نہیں کرتے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ جدیدیت کے لادین اور مادہ پرست مندرجات کو ہضم نہیں کر پاتے۔ مثلاً جدیدیت کے حوالے سے سیموئیل ہن ٹنگٹن (Samuel Huntington) ہی کو لے لیں، اس کے نزدیک مغربی تہذیب عیسائیت، تکثیریت (pluralism)، انفرادیت پسندی (individualism) اور قانون کی حکمرانی سے بن پاتی ہے۔ عیسائیت اس کے نزدیک مغربی تہذیب کا اولین جزو ہے۔

جدیدیت بذات خود کوئی شے نہیں بلکہ اس کے نزدیک یہ اس وقت وجود میں آتی ہے جب مغربی تہذیب کے چاروں عناصر باہم مربوط ہوتے ہیں۔ باالفاظ دیگر جدیدیت مذکورہ چار بنیادی عناصر سے مرکب ہے۔

جدیدیت کا جو نسخہ ہن ٹنگٹن نے تجویز کیا ہے اسلام کے لیے اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔ کیونکہ عیسائیت کا عقیدۂ تثلیث اگر بیچ میں سے نکال دیں تو باقی تصورات اور موضوعات سب اسلامی ہیں۔ اگر جدیدیت سے مراد جدت پسندی اور نئے تخلیقی اُفق ہیں یا اس سے مراد حسنِ کارکردگی ہے جس سے معاشرے کی پیداواری صلاحیت بڑھے، یا یہ کہ جدیدیت سے مراد انتظام و انصرام کے وہ مختلف النوع نظام ہیں کہ جن سے یہ اہداف حاصل ہوسکیں تو پھر اسلام کو اس سے کوئی ضد نہیں۔ اسی طرح جدیدیت اگر سائنس کو افزودگی اور نمو کا انجن سمجھتی ہے یا خالص عقلیت کا تقاضا کرتی ہے تو اسلام کو یہ بھی قبول ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ جدیدیت اُس الہامی دائرے کے اندر رہ کر یہ ساری تگ و تاز کرے، جس کا احترام ایک مسلمان معاشرہ لازمی قرار دیتا ہے۔

لیکن اسلام جدیدیت کے بے مہار اسراف و تبذیر کو، یا ایسی حدود نا آشنا انفرادیت کو جو سوسائٹی کی ترجیحات سے اغماض برتتی ہے، قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اسی طرح سوقیانہ بازاری پن اور بہیمانہ نفس پرستی کی علَم بردار مغربی تاجرانہ ثقافت کو بھی اسلام ناقابل برداشت سمجھتا ہے۔ مسلمان معاشرے میں یہ ناہنجار بالکل بار نہیں پاتا، اس لیے مردود ہے۔

اہم گزارش: اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ قارئین اپنی ذمہ داری پر معاملات کریں۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویت نام میں اسلام

پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود ترمذی

ویت نام کا نام حالیہ تاریخ میں اس حوالے سے معروف ہے کہ امریکی جارحیت کے خلاف شدید مزاحمت کے بعد اسے ویت نام چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ آج پھر عراق اور افغانستان پر امریکی جارحیت نے ویت نام کی یاد تازہ کردی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ ایک بار پھر دہرائی جارہی ہے۔ اسلام ویت نام کے مذاہب میں سے ایک اہم مذہب ہے' اور ویت نام کے مسلمانوں کے بارے میں عالمِ اسلام میں زیادہ معلومات نہیں پائی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے ایک مختصر جائزہ پیش ہے۔

○ **حدود اربعہ اور آبادی:** سوشلسٹ جمہوری ویت نام کا رقبہ ۳ لاکھ ۳۱ ہزار ۶ سو ۹۰ مربع کلومیٹر ہے جو ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے ایک طرف تھائی لینڈ کی خلیج ٹونکین' جب کہ دوسری طرف جنوبی چین کا سمندر ہے۔ یہ چین' لاؤس اور کمبوڈیا سے گھرا ہوا ہے۔

دنیا کا تیرھواں سب سے زیادہ آبادی اور جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ شرح ترقی کا حامل یہ ملک بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ چاول' چینی' چائے' کافی اور ربر اس کی پیداوار ہیں۔ صنعتی پیداوار میں بجلی' کوئلہ' اسٹیل' سیمنٹ' کپڑا' کاغذ اور مچھلی شامل ہے' جب کہ لوہا' ٹین' تانبا' سیسہ' جست و دیگر قیمتی دھاتیں معدنی پیداوار ہیں۔ ۲۰۰۰ء کی مردم شماری کے مطابق کُل آبادی ۸ کروڑ ۵ لاکھ ۸۵ ہزار ہے' جن میں ۸۷ فی صد ویت نامی ہیں اور ۱۳ فی صد دیگر نسلیں ہیں' مثلاً بہار' چم' یا چام' چینی وغیرہ' جب کہ مذاہب میں بدھ ازم' عیسائیت اور اسلام معروف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویت نامی مسلمانوں کے تین واضح گروہ ہیں۔ زیادہ تر کو دائی چم ہیں، باقی ویت نامی ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ تیسرے وہ مسلمان ہیں جو ویت نام میں آ کر آباد ہوئے۔ ۱۹۹۹ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی آبادی ۶۳ ہزار سے زائد ہے۔

○ **ملکی صورت حال:** ویت نام زیادہ تر چین کے زیر اثر رہا ہے لیکن ویت نام کے عوام اپنے ملک کی مکمل آزادی کی جدوجہد کرتے رہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں اسے فرانسیسی سامراج کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپان نے ویت نام پر قبضہ کر لیا لیکن بعد میں دوبارہ فرانس نے کنٹرول سنبھال لیا۔ ۱۹۵۴ء میں، جنیوا معاہدے کے تحت ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آزادی دے دی گئی، اس وعدے کے ساتھ کہ شفاف جمہوری انتخاب کے بعد ملک کو دوبارہ متحد کر دیا جائے گا مگر ملک کی تقسیم 'ویت نام جنگ' پر منتج ہوئی۔ سرد جنگ کے زمانے میں شمالی ویت نام کو روس اور چین کی حمایت حاصل رہی، جب کہ جنوبی حصے کو امریکا کی۔ لاکھوں ویت نامی باشندوں کی ہلاکت اور بڑے پیمانے پر تباہی اور امریکا کی ہزیمت کے بعد ۱۹۷۶ء میں متحدہ ویت نام سامنے آیا۔ ۱۹۸۶ء میں، کمیونسٹ پارٹی ویت نام اپنی قومی پالیسی میں تبدیلی لائی، ملک کو سوشلسٹ کمیونسٹ قرار دیا گیا اور پرائیویٹ سیکٹر کو فروغ دیا گیا۔ آج ویت نام کی معیشت تیزی سے ترقی پذیر ہے، سیاسی پابندیوں میں بھی کچھ نرمی واقع ہوئی ہے، تاہم کرپشن جیسے مسائل بھی موجود ہیں۔

ملک کا دستور رسمی مذہبی آزادی دیتا ہے۔ سات مذاہب بشمول اسلام کو قانونی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ ہر شہری کو بظاہر ملکی قانون کی خلاف ورزی سے بچتے ہوئے اپنے مذہب کی پیروی کی آزادی ہے اور مذہبی بنیادوں پر کوئی امتیاز نہ برتنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے، تاہم کچھ مذہبی پابندیاں بھی ہیں۔ مشنریوں کو ملک میں داخلے اور تبلیغ و دیگر سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے۔ مبلغین اور مذہبی تنظیموں کو کمیونسٹ حکومت کے نظریات کے خلاف مذہب کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ حکومتی دباؤ کی بنا پر بہت سے مذہب پسند ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ حکومت کو عالمی سطح پر مذہبی آزادی کے خلاف دباؤ کا بھی سامنا ہے۔ حکومت نے عالمی سطح پر اپنے تاثر کو درست کرنے کے لیے مذہبی آزادی کے لیے مزید کچھ اقدام بھی اٹھائے ہیں لیکن سختی اور دباؤ بھی موجود ہے۔ قانون شکنی کے الزام کے تحت مذہبی عناصر کو گرفتار کرنا اور ان کے گھر مسمار کر دینا جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقدامات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں ویت نامی مسلمان جدوجہد کر رہے ہیں۔

○ **اسلام کا آغاز:** ویت نام میں اسلام عرب اور ایرانی تاجروں اور بعدازاں ملایائی مسلمانوں کی کوششوں سے پھیلا جن کے ساتھ ویت نام کے گہرے ثقافتی روابط تھے۔ جب ہندستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی تو پھر ہندستانی مسلمانوں نے بھی چمپا (ویت نام) میں اسلام کی اشاعت میں حصہ لیا۔ ان سے بہت پہلے اُن چینی تاجروں نے بھی جو ان عرب اور ایرانی تاجروں سے روابط کی وجہ سے مسلمان ہوگئے تھے، نہ صرف چینیوں میں بلکہ چمپا اور جاوا میں بھی اسلام پھیلایا۔ بعض کا خیال بلکہ اعتقاد ہے کہ ان نومشہور اولیا (ولی سانگر) میں جنھوں نے انڈونیشیا میں اسلام پھیلایا کچھ چینی بھی تھے، لیکن تیرھویں صدی کے بعد تو یہ صرف ملایائی مسلمان تھے جنھوں نے چمپا کے عوام کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ ملایائی اور چم عوام میں صدیوں سے ثقافتی اور علاقائی رشتے قائم تھے کیونکہ یہ دونوں نسلیں ہندستانی تہذیب سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلطنت چمپا، چین اور ملایشیا کے درمیان بفرزون کا کام دیتی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۵۹۴ء میں چمپا کے بادشاہ نے ملاکا میں پرتگالیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک فوج سلطان جوہور کی مدد کے لیے بھیجی۔ حکایات کیلنتن کے مطابق سلطنت چم کا ایک شہزادہ جس کا نام نیک مصطفیٰ تھا سترھویں صدی کے وسط میں کیلنتن آیا (کیلنتن بھی ایک سلطنت تھی جس کا بانی لونگ یونس تھا جس کے آباواجداد کیلنتن وقائع کے مطابق سلطنت چمپا سے تعلق رکھتے تھے) اور کئی سال تک یہاں رہا۔ پھر جب وہ واپس چمپا گیا تو اسے (بادشاہ کی وفات کے بعد) چمپا کا بادشاہ بنا دیا گیا اور اس نے سلطان عبدالحمید کے لقب سے حکومت کی۔ ایک اور مسلمان بادشاہ پوروم کا بیٹا پوسال تھا جس نے ۱۶۶۰ء سے ۱۶۹۲ء تک پدوکاسری سلطان کے لقب سے (جو ملایائی لقب ہے) حکومت کی۔ یہ چمپا کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کی تائید الدمشقی (۱۳۲۵ء) کی کتاب سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مملکتِ چمپا میں مسلمان عیسائی اور بت پرست بستے ہیں۔ اسلام وہاں حضرت عثمانؓ اور علویوں کے دور میں آیا۔

○ **آزادی کے بعد:** ویت نامی فوج (نگوین آرمی) کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کی وجہ سے چم مسلمان چمپا سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اکثر چم کمبوچیا اور لاؤس ہجرت کر گئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سے ملایشیا، امریکا اور تھائی لینڈ چلے گئے۔ چم صرف نہاترانگ پھان رانگ اور پھان تھٹ، یعنی وسطی ویت نام میں رہ گئے ہیں۔ ہندچینی مسلمانوں کی اکثریت انھی چم مہاجرین کی نسل سے ہیں۔ ویت نامی حکومت نے مسلم چم پر بڑی سخت ناروا پالیسیاں نافذ کیں۔ انھیں زبردستی ویت نامی زبان، کلچر اور اقدار اپنانے پر مجبور کیا اور ان کے دیگر مسلمان ممالک خصوصاً ملایشیا سے رابطے بالکل محدود کر دیے تھے۔

۱۵ سالہ طویل ویت نامی جنگ کے دوران ویت نام کے دیگر لوگوں کی طرح مسلمانوں کو بھی بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ ۱۹۷۶ء میں جنگ کے خاتمے کے بعد دونوں ویت نام ایک ہی کمیونسٹ حکومت کے تحت پھر اکٹھے ہوگئے۔ ویت نامی مسلم کانگریس کا دفتر ہنوئی میں بند کر دیا گیا اور اس کے تاسیسی ارکان کو ویت نام سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا جن میں محترمہ زینب بھی شامل تھیں جو امریکا ہجرت کر گئیں۔ مساجد اور دینی مدارس کو صحت کے مراکز میں تبدیل کر دیا گیا یا انتظامی ایجنسیوں کے دفاتر بنا دیے گئے یا پبلک جلسوں اور نجی میٹنگز کے مراکز کے طور پر استعمال کی جانے لگیں۔

اپریل ۱۹۷۵ء کے بعد ویت نامی مسلمانوں کی اچھی خاصی اکثریت دیگر ممالک، مثلاً امریکا، فرانس، کینیڈا، بھارت، ملایشیا ہجرت کرنے پر مجبور کر دی گئی اور کچھ آسٹریلیا ہجرت کر گئے۔ محمد علی کیتانی کے بقول ۱۹۷۶ء میں ۱۷۵۰ مسلم چم چین میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، جب کہ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۳ء تک ۵۵ ہزار چم کمبوچیا اور ویت نام سے ملایشیا میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ویت نام کی جامع مسجد کو بند کر دیا گیا اور ہنوئی کی مسجد کو فیکٹری میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ ہنوئی کی واحد مسجد تھی اور اسے ایک پاکستانی مخیر میاں بیوی نے تعمیر کرایا تھا۔ اگرچہ ان مساجد کو مسلم سیاست دانوں کی مساعی کی وجہ سے واگزار کروا لیا گیا لیکن وہاں مسلمانوں کے نماز پڑھنے میں بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ جمعہ کی نماز کے لیے انھیں مقامی پولیس کے سربراہ اور مسجد کے منتظم سے پیشگی تحریری اجازت لینا پڑتی تھی اور پھر جمعہ کی نماز ادا کرنے والے مسلمانوں کی تعداد، ان کے ناموں اور پتوں کی فہرست مہیا کرنا پڑتی تھی اور ہر جمعہ کو ایسا کرنا ضروری تھا۔

۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء تک بہت سے مسلم رہنما حراست میں لیے گئے۔ ہنوئی میں دو مسلم رہنما جو سگے بھائی عبدالحمید بن عیسیٰ (دو ممید) اور عبدالرحیم بن عیسیٰ (درہام) جو آلوچی منہ کی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلی حکومت میں سول سروس کے ملازم تھے اور ان کے ساتھ عبدالکریم سابق رکن قومی اسمبلی کو بھی تفتیش کے لیے اٹھا لیا گیا اور پھر ان کی کوئی خبر ان کے بدنصیب خاندان کو نہیں ملی۔

○ **مسلمانوں کی موجودہ صورت حال:** موجودہ کمیونسٹ حکومت میں مسلمانوں کی حالت بڑی ابتر ہے۔ اکثریت تو اچھے حالاتِ کار اور آزادی کی امید لیے ویت نام سے ہجرت کر گئی ہے۔ ۱۹۷۸ء سے حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمان ملک کے لیے خطرہ نہیں ہیں۔ لہٰذا کچھ پابندیاں نرم کر دی گئی ہیں۔ البتہ ایک اہم پابندی باقی ہے کہ وہ بیرون ملک مسلمان تنظیموں سے رابطہ نہیں رکھ سکتے، تاہم اسلامی لٹریچر ویت نام بھیجا جا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ویت نامی زبان میں ہو۔ عربی یا ملایائی زبان کا لٹریچر درآمد کرنا بہت مشکل ہے۔

ویت نام کی سول سروس میں یا سیکورٹی فورسز میں ایک بھی مسلمان نہیں ہے، نہ انھیں سیاست میں ہی کوئی نمایندگی حاصل ہے۔ مسلمان کاشت کاری کرتے ہیں یا ماہی گیری یا شہروں میں بس ڈرائیوری۔ مسلم قوم کا پیشہ گلہ بانی، لکڑی کی ٹال پر لکڑیاں کاٹنا، پارچہ بافی یا قصاب کا کام کرنا ہے کیونکہ ویت نامی بدھ گوشت تو کھاتے ہیں لیکن جانور ذبح نہیں کرتے۔ ہوچی منہ سٹی (سیگون) میں مسلمانوں کی چند دکانیں اور ریستوران بھی ہیں۔ ان میں مشہور فورسینز ریسٹورنٹ ایک چم مسلم کی ملکیت ہے۔ بلیوروز ریسٹورٹ اور بمبئی ریسٹورنٹ بھی مسلمانوں کے ہیں۔ دیہات میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے حلال گوشت کی دکانیں بھی ہیں۔

○ **ویت نامی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر:** حاجی حسن عبدالکریم نے ویت نامی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ حاجی عبدالکریم اور محمد سمیع صدیق نے رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرتِ طیبہ بھی لکھی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دینیات بھی ویت نامی زبان میں ترجمہ کی گئی ہے۔ حاجی محمد طیب فہمی نے روح اسلام اور ارکانِ اسلام ویت نامی زبان میں لکھی ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ویت نامی مسلمانوں کا کوئی اخبار یا رسالہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کی طباعت پر پابندی نہیں ہے لیکن مسلمانوں کا کوئی اشاعتی ادارہ نہیں ہے، جب کہ ویت نام کے مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تعلیمات کا شعور عام کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

○ **تعلیمی پس ماندگی:** اکثر مسلم نوجوان ہائی اسکول تک نہیں جا پاتے۔ اس کی ایک

© rasailojaraid.com

وجہ یہ ہے کہ پرائمری یا مڈل اسکول کے بعد ان کی مالی حالت انھیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ آگے پڑھیں۔ اِکا دکا نوجوان بیرون ملک تعلیم کے لیے بھی جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انھیں ویت نامی زبان میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جو ان کی مادری زبان نہیں ہے۔ حکومت کی کوشش ہے کہ مسلمان ویت نامی زبان اور کلچر اختیار کر کے ویت نامی معاشرے میں ضم ہو جائیں۔ اس کی خاطر اس نے ان کے ناموں کے ساتھ اونگ، ما، ترا اور چی کے حصے بھی لگائے ہیں۔

○ **مساجد اور مدارس کی صورت حال:** ۱۹۸۲ء میں ویت نام میں ۴۷ مساجد اور ۲۷ مصلے تھے۔ ہوچی منہ سٹی (سیگون) میں چھے مساجد اور سات مصلے تھے اور چار ڈاک (این گیانگ) صوبے میں نو مساجد اور ۱۷ مصلے تھے۔ اکثر مساجد پکی نہیں تھیں۔ ۲۰ویں صدی کے وسط تک بلکہ آج بھی اکثر مساجد گھاس پھوس اور بانسوں سے بنائی جاتی ہیں۔ محراب کے پاس ایک منبر ہوتا ہے جس پر خطیب جمعے کا خطبہ دیتا ہے۔ نمازیوں کے لیے چٹائیاں بچھائی جاتی ہیں۔ وضو کے لیے پانی سے بھرے کینٹینر مساجد میں رکھے ہوتے ہیں۔ کمیونسٹ انقلاب میں یہ سب مساجد یا تو بند کر دی گئیں یا فیکٹریاں یا پبلک اجتماع گاہ بنا دی گئی تھیں۔ ۱۹۸۲ء تک ہوچی منہ سٹی میں ۱۴ مساجد تھیں۔

اسلامی درس گاہیں کوئی خاص نہیں ہیں لیکن مساجد کے ساتھ ایک حصہ بچوں کی بنیادی اسلامی تعلیمات کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ ان میں تن چاؤ ضلع کی مسجد نیک ماں ہے جہاں لڑکوں کے لیے سات اور لڑکیوں کے لیے ایک کلاس ہے۔ صوبہ این گیانگ کی مسجد الامان میں مدرسہ اصلاح قائم ہے جس میں ۱۵۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ضلع آن پھو کی مسجد الاحسان کے مدرسہ میں ۱۲۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ضلع پھونہاں کی جامع مسجد المسلمین میں بھی ایک مدرسہ ہے۔ ویت نام میں اب کل ۴۰ مساجد اور ۲۲ مصلے ہیں۔ ویت نام کی قدیم ترین مسجد جامع الازہر جو صوبہ آن گیانگ کے ضلع پھوتان میں واقع ہے ۱۴۲۵ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ دوسری قدیم ترین مسجد الرحیم ہے جو ہوچی منہ سٹی (سیگون) میں ہے۔ اسے ۱۸۸۵ء میں ملائیشیا اور انڈونیشیا کے مسلمانوں نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ چوتھی قدیم ترین مسجد ہنوئی کے ضلع ہوان کیم میں ہے جو مسجد النور کے نام سے مشہور ہے۔ اسے ہندی تاجروں نے ۱۸۹۰ء میں تعمیر کیا تھا۔ صوبہ آن گیانگ کے ضلع آن پھو میں واقع پانچویں قدیم ترین مسجد کھان بنہ (ماکورہما) ہے جو ۱۰۰ سال پرانی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید ترین مساجد میں صوبہ بن پھوک کی مسجد حیات الاسلام ہے جو ۱۹۹۰ء میں تعمیر ہوئی اور صوبہ بنہ دوانگ کی مسجد المتقین ہے جو ۱۹۹۲ء میں تعمیر ہوئی۔ مسجد جامع الاسلامیہ ہوچی منہ سٹی کو ۲۰۰۴ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اسے عربی طرزِ تعمیر میں ایک ویت نامی آرکیٹیکٹ نے تعمیر کیا۔ ہوچی منہ سٹی کے ضلع پھونہان کی مسجد جامع المسلمین ایک اور مشہور مسجد ہے۔ اس کی تعمیر ۱۹۶۹ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۷۱ء میں مکمل ہوئی۔ اس کی پہلی منزل پر ہوچی منہ سٹی کی اسلامک کمیونٹی کا دفتر ہے۔ دوسری منزل نمازیوں کے لیے ہے جہاں خواتین کے لیے بھی علیحدہ انتظام ہے۔

○ **مسلم تنظیمیں**: شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام کے اتحاد سے پہلے شمالی ویت نام میں کوئی قابلِ ذکر مسلم تنظیم نہیں تھی کیونکہ وہاں مسلمان برائے نام تھے۔ البتہ جنوبی ویت نام میں کئی مسلمان تنظیمیں تھیں جن میں چم ویت نام ایسوسی ایشن (CAMA) اور ویت نام گریٹ اسلامی کونسل اور سیخون السلام وغیرہ نے مل کر ایک تنظیم کی صورت اختیار کر لی جس کا نام کونسل برائے ویت نام مساجد ہے۔ یہ ڈاکٹر صدیق طوطی (توتی) کی مساعی کا نتیجہ ہے جو اسلامی ترقیاتی بنک کے نمایندہ ہیں ان کے ساتھ رابطہ العالم الاسلامی کے ابراہیم عادل جی بھی شامل تھے جنھوں نے ۱۹۸۲ء میں ویت نام کا دورہ کیا تھا۔ ایک اور معاصر اور فعال مسلم تنظیم ہوچی منہ سٹی کی اسلامک کمیونٹی ہے جو ۱۹۹۲ء میں قائم ہوئی۔ یہ شہر کے ۷ ہزار مسلمانوں کی نمایندہ تنظیم ہے۔ جمعیۃ السعادۃ ایک اور تنظیم ہے۔ ویت نامی چم مسلم تنظیم نوجوانوں کی تنظیم ہے۔ ویت نام چم مسلم ایسوسی ایشن اور ویت نام مسلم آرگنائزیشن بھی ہیں لیکن ان کی کارکردگی برائے نام ہی ہے۔

ویت نام کے مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ تاریخ بڑے مصائب اور مسائل سے پُر رہی ہے۔ اس میں سب سے کٹھن دور کمیونسٹوں کا دور رہا ہے جنھوں نے انھیں جیسا کہ ان کا دستور ہے باقی دنیا سے بالکل الگ تھلگ کر کے رکھ دیا، اور نہ وہاں کسی بیرونی میڈیا کے نمایندوں کو جانے کی اجازت تھی کہ وہ ان پر بیتنے والے مظالم دنیا کو بتا سکتے۔ ان پر بڑی ناروا پابندیاں لگائی گئیں۔ اب بھی انھیں بہت سے مسائل کا سامنا ہے، مگر ویت نام کے مسلمان ایک عزم اور جذبے کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ (ماخوذ: ہمدرد اسلامکس، جلد ۲۹، شمارہ ۲، ۲۰۰۷ء؛ وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا، www.wikipedia.org)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے خطبات کے چار مجموعے

محاضراتِ قرآنی

قیمت:-/260 روپے (صفحات۔400)

تعارفِ قرآن مجید، تدریس قرآن مجید، تاریخ نزولِ قرآن مجید، جمع وتدوین قرآن مجید، علم تفسیر اور عظیم مفسرین کا مجمل تعارف، قرآن مجید کا اعجاز، علوم قرآنی کا جائزہ، نظم قرآن، اسلوب قرآن، قرآن مجید کے اہم موضوعات، دور جدید میں تدریسِ قرآن کے تقاضے.... ان بارہ موضوعات پر ڈاکٹر غازی کے بارہ بصیرت افروز اور فکر انگیز خطبات کا حسین وجمیل مجموعہ، جو اپریل 2003ء میں راولپنڈی اور اسلام آباد میں خواتین مدرساتِ قرآن کے روبرو فی البدیہہ، محض یادداشت سے دیئے گئے۔

محاضراتِ حدیث

قیمت:-/300 روپے (صفحات۔480)

''محاضراتِ قرآنی'' سے منسلک اس مجموعے میں بھی بارہ خطبات شامل ہیں۔ یہ خطبات اکتوبر 2003ء میں ادارہ ''الھدیٰ'' ہی کے تعاون سے اُن کے اسلام آباد مرکز کے وسیع ہال میں دیئے گئے۔ ان خطبات کے عنوانات ہی سے اس مجموعے کی اہمیت اور قدروقیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے: حدیث کا تعارف، علم حدیث کی ضرورت، حدیث اور سنت، روایت حدیث اور اقسام حدیث، علمِ اسناد ورجال، جرح وتعدیل، تدوین حدیث، محدثین کی خدمات، علوم حدیث، کتبِ حدیث، شروح حدیث، برصغیر میں علم حدیث، دور جدید میں علوم حدیث۔

☆....☆....☆

محاضرات سیرت ﷺ (صفحات 768 قیمت-/450) اور **محاضرات فقہ** (صفحات 560 قیمت-/325)

بھی شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں سیرۃ النبیؐ اور فقہ پر ہر طرح کے موضوع زیر بحث لائے گئے ہیں۔ جو تحقیقی بھی ہیں اور معلوماتی بھی۔

الفیصل ناشران وتاجران کتب

غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔ پاکستان

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

النور جیولرز

زیورات کی دُنیا میں انقلابی فوائد کے ساتھ

- ہمارے ہاں زیورات بغیر ٹانکہ کے جدید طریقے سے تیار کیے جاتے ہیں۔
- ہمارے تیار کردہ زیورات کی واپسی پر کاٹ نہیں لی جاتی لہٰذا ہمارے زیورات آپ کا محفوظ سرمایہ ہیں جنھیں آپ کسی بھی وقت کیش کرا سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے ہمیں اپنے بھرپور اعتماد سے نوازا ہے

ہمارا معیار ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے

امید ہے کہ نہ صرف آپ ہمیں خدمت کا موقع دیں گے بلکہ اپنے عزیز واقارب کو بھی ان فوائد سے آگاہ کریں گے

○ دکان نمبر F/461 'نزد لاجواب فروٹ چاٹ' صرافہ بازار (بھابڑا بازار) راولپنڈی

فون: 051-5539378۔ محمد فیض اللہ چوہان' موبائل: 0304-5253718 'ندیم اللہ چوہان' موبائل: 0300-5307571

○ نیو برانچ: سوق ادریس علی پلازہ 'مری روڈ' راولپنڈی

فون: 051-5552209۔ محمد اکرام اللہ چوہان' موبائل: 0300-5806700 'ضیاء اللہ چوہان' موبائل: 0300-5802209

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخبارِ اُمت

واشنگٹن کی فلسطین کانفرنس

سید حامد عبدالرحمٰن الکاف ٥

اسرائیل اوراس کے حواریوں کے لیے حماس کی نمایاں کامیابیوں کا صدمہ ایک ناسور بن چکا ہے۔ فلسطینی عوام کی واضح اکثریت کی منتخب حکومت کا تختہ اُلٹنے کے باوجود وہ حماس کے خوف سے نجات نہیں پاسکے۔ آئے روز کوئی نہ کوئی سازش تیار کی جارہی ہے۔ اب ایک قابلِ بقاواستمرار (sustainable state) فلسطینی ریاست کے قیام کے دعوے کے تحت نومبر ۲۰۰۷ء میں منعقد ہونے والی واشنگٹن کانفرنس ___ حقیقت میں یہ ایک ایسا سراب ہے جو صدر بش نے فلسطینیوں، عربوں، مسلمانوں اور ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے تیار کیا ہے۔ صدر بش نے بڑی ہوشیاری، چالاکی اور چال بازی کے ساتھ فلسطینی مسئلے کو حل کرنے کی سعودی تجویز، سابق وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر اور عالمی چار رکنی کمیٹی جو امریکا، یورپی یونین، روس اور اقوام متحدہ سے مل کر بنی ہے ___ ان تینوں کو موت کی نیند سلانے کی نیت سے یہ سازش تیار کی ہے۔ اس کانفرنس کی ناکامی پہلے ہی سے معلوم ہے اور ہدف بھی یہی ہے، تاکہ ناکامی کا سارا الزام فلسطینیوں کے سرمنڈھ کر اسرائیل کو اپنے جارحانہ اور مجرمانہ منصوبوں کو پورا کرنے کا کھلا لائسنس دیا جاسکے۔

اس عالمی کانفرنس میں شام کو دعوت نامہ نہ بھیجنا بھی اس نیت کی حقیقت عیاں کرتا ہے کہ اس ناکام مگر امریکی، یورپین اور اسرائیلی نقطۂ نظر سے ''کامیاب ___ بہت ہی کامیاب،

---

٥ صنعا، یمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمی پیمانے پر عالمی برادری کے معیار پر کامیاب'' کانفرنس کو ناکام کرنے کی مسلسل کوششوں کا الزام شام پر بھی تھونپا جاسکے اور پھر اس پر حملہ آور ہونے کے لیے اسرائیل کو جواز فراہم کیا جائے۔ اس حملے کی تیاری کے لیے اسرائیلی ہوائی جہازوں نے شمال مشرقی شام میں دیدالزور پر حملہ کر کے اپنی ریہرسل کرلی ہے اور اس میں وہ کامیاب ہونے کا دعویٰ بھی کرچکے ہیں۔ یقیناً آگے بڑھ کر لبنان میں حزب اللہ، فلسطین میں حماس، غزہ اور غزہ حماس اور آخرکار ایران اس کا اصل اور آخری ہدف ہوگا۔

اسرائیل اپنے جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم کے بارے میں کوئی لچک نہیں رکھتا۔ وہ اپنے مبنی برظلم موقف کے بارے میں ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ بنیادی حساس موضوعات کو وہ چھیڑنا ہی نہیں چاہتا ہے اور فلسطینیوں سے وہی مطالبہ کر رہا ہے جو امریکا، برطانیہ اور یورپ اور اسرائیل نواز عالمی لابی بھی ہمیشہ سے دہراتی ہے ___ امن، امن اور امن۔ صرف اسرائیل ہی کے لیے امن، اور ہلاکت، تباہی اور بدامنی اور قتل و غارت گری صرف اور صرف فلسطینیوں کے لیے۔

یہ عجیب و غریب اور ظالمانہ مساوات جو یہودی صہیونی ذہن کی خاص پیداوار ہے اور جسے یورپ اور بعد میں امریکا نے بحیثیت ملک وقوم اور نظامِ حیات اپنالیا اور سینے سے لگالیا ہے، اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ چار رکنی کمیٹی میں اقوام متحدہ کے نمایندے کو کہنا پڑا کہ اقوام متحدہ کو اس کمیٹی کی رکنیت سے مستعفی ہوجانا چاہیے، کیونکہ یہ کمیٹی فلسطین پر عائد کردہ اسرائیلی، امریکی، برطانوی، یورپی پابندیوں کو ختم کرانے میں ناکام رہی ہے (بی بی سی نیوز، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء)۔ اقوامِ متحدہ جو امریکا، یورپ اور روس کے بعد باقی دنیا کی اس کمیٹی میں نمایندہ تھی، کے نمایندے کا یہ بیان اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ ایک ایسا یک طرفہ ڈراما ہے جس کے سارے کردار اسرائیل اور اسرائیلی ہی ہیں۔ اس میں کسی اور کی کوئی گنجایش نہیں۔

اللہ تعالیٰ اَسْرَعُ مَکْرًا ہے، یعنی اللہ اپنی چال چلنے میں سب سے تیز ہے۔ اس لیے اس نے اپنی قدرت، حکمت اور مصلحت سے غزہ کی پٹی میں حماس کو غالب کر کے اسرائیل، امریکا، برطانیہ، یورپ اور دیگر اسرائیلی ہم نواؤں کے سینے میں ایک زہریلا خنجر گھونپا ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ جو حق، اہلِ حق کے لیے زندگی کا باعث ہوتا ہے، وہی حق، حق کے دشمنوں کے حق میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زہر ہلاہل ہوتا ہے۔ شمال میں حزب اللہ اور جنوب مشرق میں حماس کے نرغے میں پھنسی ہوئی اسرائیلی ریاست' اور اس کے ساتھ یہ سب کے سب ظالم اور مجرم ملک اور قومیں درحقیقت اپنی اپنی موت کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں کیونکہ اہلِ حق کو ختم کرنے کے زعم میں ان شاء اللہ ایک روز یہ خود صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گی۔ عاد و ثمود' فرعون و ہامان اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

گذشتہ برس حزب اللہ کے کمزور اور ناتواں ہاتھوں سے اسرائیل' امریکا' برطانیہ وغیرہ کی شرمناک شکست اللہ تعالیٰ کی چالوں کی ایک کڑی تھی۔ اب یہ ظالم قومیں اپنے پیروں سے خود چل کر واشنگٹن کے اندھے کنوئیں میں اپنی مرضی سے چھلانگ لگا رہی ہیں۔ یہ قوموں کی اجتماعی خودکشی ہے جو عذابِ خداوندی کی بہترین مثال ہے۔

یہ صرف اور صرف کُنْ فَیَکُوْنُ کا کھیل ہے اور کچھ نہیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (ابراھیم ۱۴:۲۰) ''ایسا کرنا اللہ کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں ہے''۔

اسلامک بُک سٹور

ڈیفنس شاپنگ مال

قرآن پاک بمعہ ترجمہ وتفسیر اور رومن سکرپٹ کی وسیع ورائٹی
حدیث اور اسلامی موضوعات پر مختلف اسکالرز کی کُتب
کیسٹس اور سی ڈیز پر تلاوت بمعہ ترجمہ وتفسیر (اردو اور انگریزی)
خرم مرادؒ، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر غلام مرتضیٰؒ، ڈاکٹر فرحت ہاشمی، ہما نجم الحسن ودیگر
حجاب، اسکارف، عبایا، چادر، تسبیح، جاے نماز، قبلہ نما
اور حج وعمرہ کا مکمل سامان دستیاب ہے

دُکان نمبر 12-11 بیسمنٹ، ڈیفنس شاپنگ مال، نیو ٹیس مارٹ بالمقابل عادل ہسپتال۔ لاہور
فون: 0426132434 , 6602796 , 6612322-42(92+)
ای میل: ibs_defence@yahoo.com

© rasailojaraid.com